معاصر پاکستانی فارسی شعرا کا ایرانی شعرا سے اظہارِ عقیدت

ڈاکٹر شگفتہ رعنا
لیکچرار فارسی، گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین فیروزوالہ، شیخوپورہ
ڈاکٹر عظمیٰ زرّیں نازیہ
اسسٹنٹ پروفیسر فارسی، اورینٹل کالج، لاہور

POETIC TRIBUTE TO IRANIAN POETS
BY CONTEMPORARY PERSIAN POETS OF PAKISTAN

Shaguftah Ra'ana, PhD
Lecturer in Persian,
Govt. Degree College (W) Ferozwala, Shaikhopura

Uzma Zareen Nazia, PhD
Assistant Professo Persian,
University of the Punjab, Lahore

Abstract

In Sub-continent, it was a common perception that with the downfall of "Mughal Dynasty" in 1857 A.D, Persian language vanished totally and replaced by English language. Though English language became official language but befor it for thousands of years the land of Sub-continent have been fertilized and watered by Persian thought and art and Persian enjoyed the status of official, legal and cultural language of this area. A remarkable asset of Persian poetry can be seen in 20th ceturey. Almost all contemporary Pakistani Persian poets have followed Sa'adi, Rumi, Hafiz and Jami etc and paid homage to these great poets.

Keywords:

بہادر شاہ ظفر، برصغیر، سندھ، حیدرآباد دکن، ایرانی شعرا، فارسی، اردو

برصغیر پاک و ہند میں تقریباً ایک ہزار سال تک فارسی سرکاری اور اداری زبان رہی۔ فارسی زبان سندھ کے راستے برصغیر میں داخل ہوئی۔ مغلیہ دور کے اختتام تک برصغیر میں فارسی زبان و ادب کا دور دورہ تھا۔ بہت سے شاعر ادیب ایران سے ہجرت کر کے برصغیر میں آئے اور بہت نام اور دولت کمائی۔ ۱۸۵۷ء میں سراج الدین بہادر شاہ ثانی ظفر کی معزولی کے بعد سرزمینِ ہند انگریزوں کے زیرِ تسلّط آ گئی اور ان کی حکومت کا پایہ تخت لندن قرار پایا۔ لیکن چونکہ مغل حکمران فارسی زبان و ادب اور رسوم کو پسند کرتے تھے اس لیے اس مرز و بوم میں فارسی اچھی طرح جڑیں پکڑ چکی تھی۔ انگریزوں کی کوشش کے باوجود فارسی برصغیر میں پھلتی پھولتی رہی۔ (۱)

مقالے میں صرف بیسویں صدی کے شعرا کو شامل کیا گیا ہے وہ بھی چند ایک تا کہ قرطاس پر ایک نقش ابھر آئے جو آج کی فارسی شاعری میں ایران دوستی اور اساتذہ سے عقیدت کے جذبے کو مجسم کر دے۔ پاکستان کے بیسوی صدی کے تقریباً ہر شاعر نے اپنی شاعری میں ایرانی کلاسیکل شعراء سے عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

غلام قادر گرامی: ریاست حیدر آباد دکن (ہندوستان) کے میر محبوب علی خان اور اس کے بیٹے میر عثمان علی خان کے دربار کے ملک الشعراء، ابوالاثر حفیظ جالندھری (۱۹۰۰۔۱۹۸۲ء) اور عزیز الدین عطّامی (۱۸۹۸۔۱۹۵۷ء) جیسے نابغہ ہائے روزگار کے استاد "غلام قادر" جو اپنے تخلّص "گرامی" سے معروف ہیں۔ ۱۸۵۶ء میں جالندھر، ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ (۲) والد گرامی کا نام "سکندر بخش" تھا۔ "گرامی" گلستان، بوستان اور سکندر نامہ جیسی کتابیں بچپن میں ہی خلیفہ ابراہیم جالندھری سے پڑھ چکے تھے۔

ابتدائی تعلیم چودہ سال کی عمر میں مکمل کرنے کے بعد منشی عالم اور منشی فاضل کا امتحان اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔ وکالت کی ڈگری بھی حاصل کی۔ (۳) امرتسر، لدھیانہ اور کپورتھلہ میں مختلف ہائی سکولوں میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔ چار سال تک نواب فتح علی خان قزلباش (۱۸۶۲۔۱۹۲۳ء) کے استاد بھی رہے۔ گرامی کی وفات ۱۹۲۷ء میں شوگر کے مرض سے ہوئی اور ہوشیار پور ہندوستان میں دفن ہوئے۔ (۴)

گرامی اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے لیکن ان کا دیوان صرف فارسی زبان کے اشعار پر مشتمل ہے۔ ان کا فارسی دیوان شیخ مبارک علی اینڈ سنز، لاہور سے شائع ہوا۔

یہ دیوان مثنویات، خمریات، مناقب ائمہ اطہار، قطعات، مراثی، غزلیات اور قصائد پر مبنی ہے۔ رباعیات گرامی بھی شیخ مبارک علی اینڈ سنز لاہور نے شائع کیں۔ رباعیات کی کُل تعداد ۳۲۰ ہے۔ نعتیہ رباعیات کی تعداد زیادہ ہے۔

گرامی نے حافظ، نظیری، ظہوری، صائب اور غالب کی تضمین کی ہے لیکن اس کی بیشتر غزلیات حافظ کا رنگ لیے ہوئے ہیں۔ جہاں مولانا روم کا نام آتا ہے تو گرامی جھوم اُٹھتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے انکسار سے جھکا جاتا ہو۔ اس کے منہ سے الفاظ یوں جھڑتے ہیں جیسے پھول یا یوں کہیے کہ سفید نورانی موتیوں کی برسات جو ایک کے بعد ایک لڑی میں پروئے جاتے ہیں۔

اگرچہ برصغیر کے تقریباً سب شعرا نے سعدی، رومی، حافظ اور جامی کا نام لیا لیکن گرامی کا اظہار محبت وعقیدت جداگانہ ہے۔ گرامی نے پہلے تو بحر معرفت مثنوی معنوی میں غوطہ زنی کی اور پھر پکار اٹھے۔

گوشۂ چشمِ جلال الدین روم　　سینہ ام را می کند کانِ علوم
جذبۂ پنہانِ مولانا حسام　　از نگاھی کرد ناقص را تمام (۵)

سبحان اللہ جلال الدین رومی کا مرتبہ یوں بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے صرف گوشۂ چشم سے نگاہ کی اور میرسینہ علم کی کان بن گیا۔ بے شک عارف کی ایک نگاہ ہی تقدیر بدلنے کے لیے کافی ہے۔ گرامی مثنوی معنوی کی پیروی میں قلم اُٹھاتے ہیں اور لکھتے ہیں:

باز شوقی زخمہ بر تارم زند　　باز ذوقی گل بہ دستارم زند
باز گردیدم بہ جذباتِ کمال　　بی خودِ انداز مولانا جلال (۶)

مثنوی کے اسرار ورموز کا بیان لکھتے لکھتے ہاتھ روک لیتے ہیں اور کہتے ہیں:

(اردو ترجمہ) میرے منہ میں خاک اگر میرے سر میں مثنوی معنوی کا جواب لکھنے کا سودا سمایا ہو۔ گرامی کو مولوی سے کیا نسبت؟ (۷)

میں بھلا مثنوی معنوی کا جواب دینے کی جسارت کیسے کر سکتا ہوں؟

ہین چہ پنداری کہ آوردم کتاب　　مثنوی مولوی را در جواب
من مثال ذرہ او خود آفتاب　　او تلاطم ہای دریا من حُباب
مولوی دریاست من از قطرہ کم　　من گیاھی خشک او ابر کرم
مولوی مقبول و من مردود یار　　من خزان دیدہ چمن او خود بہار
مولوی از رمزِ عشق آگاہ بود　　شمس تبریزش چراغِ راہ بود
من ز خاک جہل او شہر علوم　　اللہ اللہ من ز پنجاب او ز کردم
من مثال ذرہ او خر من بہ اصل　　من گرفتارِ فراق او محوِ وصل (۸)

ان اشعار میں کمالِ عقیدت ہے:

کہاں مولانا کہاں میں وہ دریا میں قطرہ، وہ ابرِ کرم میں گیاہِ خشک، وہ آفتاب میں ذرہ، وہ ٹھاٹھیں

مارتا سمندر میں معمولی حُباب، وہ مقبول میں مردود، وہ بہار میں اجڑا چمن، وہ رموزعشق سے آگاہ اور شمس تبریز اس کا چراغِ راہ، میں جاہل مٹھی بر خاک اور وہ شہر علوم، اللہ اللہ میں خاک پنجاب اور وہ مولائے روم، گرامی انتہائے اخلاص اور عقیدت میں پکار اٹھتے ہیں میں ایک ذرہ وہ خرمن ہیں میں مہجور اور وہ مقبول ہیں۔

ایسا جداگانہ انداز ہے کہ جس نے مثنوی معنوی نہیں پڑھی اسے بھی پڑھنے کی خواہش ہو۔اسی طرح گرامی نے جو''قسمیہ'' کے عنوان سے ظہوری کے قسم نامہ کا جواب لکھا ہے وہ بے مثال ہے۔

بطور نمونہ قسمیہ سے دو شعر درج ہیں:

به بیتابیِ جرم ناکردگان　　به بی رحمیِ ناز پروردگان

به دلجوئیِ قدرِ رعنائے یار　　به طرّاریِ طرهٔ مشکبار

بشوقی که دلها به جوش آورد　　بذوقی که جان در خروش آورد(۹)

عرفی سے اظہار:

بصورت جانشینِ عرفیم در معنیم عرفی　　که گرد د مستقل قائم مقام آہستہ آہستہ(۱۰)

اور اس رباعی میں نظامی اور جامی کے انداز پر شیفتگی دیکھیے:

باری مژه وا کن که گرامی مائیم　　دیوانهٔ انداز نظامی مائیم

گوئیم قصیده و رباعی و غزل　　مست می خخانهٔ جامی مائیم(۱۱)

علامہ محمد اقبال لاہوری: عظیم فلسفی، قانون دان، محقق، سیاستدان، ادیب اور اردو اور فارسی زبان کے شہرۂ آفاق شاعر علامہ محمد اقبال جو شاعر مشرق، حکیم امت اور مصوّرِ پاکستان جیسے القابات سے معروف ہیں، ۹ نومبر ۱۸۷۷ء میں پاکستان کے شہر سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔اقبال کے آباؤ اجداد کشمیری برہمن تھے جو مسلمان ہو گئے اور کشمیر سے ہجرت کر کے سیالکوٹ میں آباد ہو گئے تھے۔(۱۲) اقبال نے ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں ہی حاصل کی۔یہیں مولوی میر حسن سے اردو، عربی اور فارسی ادب پڑھا۔(۱۳) اسکاچ مشن کالج سے ایف۔اے کرنے کے بعد ۱۸۹۵ء میں اقبال نے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا جہاں ان کی ملاقات سر تھامس آرنلڈ سے ہوئی اور ۱۸۹۹ء تک بی۔اے اور ایم۔اے کی ڈگریاں عربی اور فلسفہ کے مضامین میں نمایاں کامیابی کے ساتھ حاصل کیں۔(۱۴)

۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۵ء تک اورینٹل کالج سے میکلوڈ عربیک ریڈر کی حیثیت سے وابستہ رہے۔

۱۹۰۵ء میں اقبال اعلیٰ تعلیم کے لیے کیمبرج یونیورسٹی لندن تشریف لے گئے جہاں فلسفہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ لنکزان (Lincoln's inn) سے بارایٹ لاء کا امتحان بھی پاس کیا۔(۱۵) ۱۹۰۷ء میں میونخ یونیورسٹی جرمنی میں اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ''مابعد الطبیعات در ایران'' پیش کیا اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

۱۹۰۸ء میں وطن واپسی پر اقبال نے گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبہ فلسفہ کے صدر کے حیثیت سے کام شروع کیا لیکن دو سال بعد ہی چھوڑ دیا اور وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔(۱۶) ۱۹۲۳ء میں حکومت برطانیہ نے اقبال کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں ''سر'' کے خطاب سے نوازا۔ ۱۹۲۷ء میں مجلس قانون ساز پنجاب کے رکن بنے۔ ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے صدر بنے۔ ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء میں مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے گول میز کانفرنس میں شرکت کی۔(۱۷)

اقبال نے ۱۹۳۸ء میں ۶۱ برس کی عمر میں وفات پائی۔(۱۸) ان کا مزار بادشاہی مسجد کے پہلو میں ہے۔ اقبال کا کلام اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ہے۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اقبال کا تین چوتھائی کلام فارسی زبان میں ہے۔ ذیل میں اقبال کے صرف منظوم آثار کے نام درج ہیں۔

فارسی کے مجموعہ ہائے کلام اس طرح سے ہیں:

اسرار خودی (۱۹۱۵ء)، رموز بیخودی (۱۹۱۸ء)، پیام مشرق (۱۹۲۲ء)، زبور عجم (۱۹۲۷ء)، جاوید نامہ (۱۹۳۳ء)، مثنوی مسافر (۱۹۳۴ء)، مثنوی پس چہ باید کرد (۱۹۳۶ء) اور ارمغان حجاز جو اقبال کا آخری شعری مجموعہ ہے (لاہور ۱۹۳۸ء) ہیں۔

اردو کے مجموعے: بانگِ درا (نصف اردو ۱۹۲۴ء)، بالِ جبریل (۱۹۳۵ء)، ضرب کلیم (۱۹۳۶ء)۔

فارسی اسلام کی دوسری بڑی زبان ہے۔ اقبال نے نہ صرف اپنی فارسی شاعری کے ذریعے اپنا پیغام تمام امت مسلمہ کو پہنچایا، بلکہ برصغیر میں نیم مردہ فارسی زبان کو زندہ کر دیا۔

اقبال نے اردو میں بھی شعر کہے لیکن فارسی پر ناز کیا اور شیرین تر کہا:

گرچہ ہندی در عذوبت شکر است   طرزِ گفتارِ دری شیرین تر است (۱۹)

ایرانی شعرا کا کلام، سعدی، عطار، رومی، حافظ، جامی، عرفی، فیضی، اقبال کے زیر مطالعہ رہے۔ اقبال کی شاعری میں جا بجا ایرانی شعرا کی شاعری کی تضمین یا ان کی تعریف دکھائی دیتی ہے۔ وہ کھلے دل سے ایرانی شعرا کے فکری وفنی محاسن کی تعریف کرتے ہیں۔

''اقبال درراہِ مولوی'' از ڈاکٹر سید محمد اکرم شاہ اکرام رومی اور اقبال کے فکری و معنوی اشتراکات اور اقبال پر رومی کے اثرات کا بہترین جائزہ ہے۔ اقبال کی رومی سے عقیدت بلاشبہ ایک پی ایچ ڈی کا موضوع ہے لہٰذا یہاں صرف چند مثالوں پر ہی اکتفا کیا جائے گا۔ اقبال نے اسرار خودی کے آغاز میں انسانِ کامل کی تلاش میں جو تین اشعار درج کیے ہیں وہ بھی مولانا جلال الدین رومی کے ہیں۔ جاوید نامہ میں اقبال نسلِ نو کو نصیحت کرتے ہیں کہ رومی کو اپنا رفیق راہ بناؤ چونکہ وہ واقف اسرار و رموز ہے:

رومی:

پیرِ رومی را رفیق راہ ساز تا خدا بخشد ترا سوز و گداز

زانکہ رومی مغز را داند ز پوست پائے او محکم فتد در کویِ دوست(۲۰)

نکتہ ہا از پیرِ روم آموختم خویش را در حرفِ او واسوختم (۲۱)

''مثنوی پس چہ باید کرد ای اقوام شرق'' کی تمہید میں لکھتے ہیں:

پیرِ رومی مرشدِ روشن ضمیر کاروانِ عشق و مستی را امیر

منزلش بر تر ز ماہ و آفتاب خیمہ را از کہکشاں ساز و طناب

نورِ قرآن درمیان سینہ اش جامِ جم شرمندہ از آئینہ اش(۲۲)

اقبال کی معروف غزل:

چون چراغ لالہ سوزم در خیابان شما ای جوانانِ عجم جانِ من و جانِ شما (۳۲)

حافظ شیرازی کی اس غزل کی زمین میں ہے:

ای فروغ ماہِ حسن از رویِ رخشانِ شما آب روی خوبی از چاہِ زنخدان شما

سنایی: سنایی کے مزار پر حاضری دی اور عرض کی:

ای ''حکیم غیب'' امام عارفان پختہ از فیض تو خام عارفان

آنچہ اندر پردۂ غیب است گو بو کہ آب رفتہ باز آید بہ جو(۲۴)

عرفی:

عجم از نغمہ ام آتش بہ جان است صدای من در ایِ کاروان است

حدی را تیز تر خوانم چو عرفی کہ رہ خوابیدہ و محمل گران است(۲۵)

نظیری:

بہ ملکِ جم ندھم مصرعۂ نظیری را کسی کہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست(۲۶)

جامی:

مرا از منطق آید بویِ خامی دلیل او دلیل ناتمامی

بہ رویم بستہ درھا را گشاید دو بیت از پیر رومی یاز جامی(۲۷)

اقبال شور رومی، سوز خسرو، عرفان سنائی و عطار اور جامی کے فلسفہ و منطق کے قائل ہیں۔ ارادت کا اظہار کبھی تضمین کی صورت میں کیا ہے تو کبھی باقاعدہ تحمید ہے۔

مولانا عزیز الدین احمد عظامی: عظامی مولانا غلام قادر گرامی کے شاگرد و جانشین ہیں۔ باکمال فارسی گو شاعر ہیں۔ ان کا نام عزیز الدین اور عظامی تخلص ۔ ۱۸۹۸ء کو ہوشیار پور کے ایک قصبے 'بدلہ' (جالندھر، ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد الٰہی بخش عالمِ دین اور طبیب تھے۔ (۲۸) قرآن مجید اور فارسی صرف ونحو کی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی۔ (۲۹) ۱۹۰۴ء مین ان کے والد وفات پا گئے اور ۱۹۰۹ء میں کفالت کرنے والے بڑے بھائی بھی انتقال کر گئے۔ عظامی نے ابتدائی تعلیم رائے پور گوجراں کے دینی مدرسے سے حاصل کی۔ مولانا حافظ محمد صالح اور مفتی فقیر اللہ سے بھی فیض پایا۔ (۳۰) دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن گنگوہی اور علام سید انور شاہ کشمیری سے دورۂ علم وحدیث مکمل کیا۔ (۳۱) ۱۹۱۵ء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بعدازاں پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کیا اور ہوشیار پور کے ہائی سکول اور پنجاب کے مختلف ہائی سکولوں میں درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۷ء میں مولانا عظامی ہوشیار پور سے ساہیوال منتقل ہوئے اور منٹگمری ہائی سکول سے وابستہ ہوئے اور وہیں سے ۱۹۵۳ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔ عظامی نے ۱۹۵۷ء میں وفات پائی اور ساہیوال ہی میں دفن ہوئے۔ (۳۲) مولانا عظامی نے ایک فارسی کلیات یادگار چھوڑا ہے۔ ''کلیات عظامی'' کی خاص بات یہ ہے کہ یہ کلیات خط نستعلیق میں خود عظامی کا دستنویس ہے۔ اس کا مقدمہ صدر شعبہ فارسی کراچی یونیورسٹی، ڈاکٹر غلام سرور کا لکھا ہوا ہے۔

کلیات عظامی نعت، قصاید، مناقب، مراثی، مثنویات اور متفرقات وغیرہ پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں اردو میں بھی شعر کہے لیکن فارسی کی طرف میلان زیادہ رہا۔ نعت گوئی میں اپنی مثال آپ تھے۔ عظامی نے صنف غزل میں نظیری، عراقی، حافظ اور بیدل کی پیروی کی ہے، اور قصائد میں عرفی اور قاآنی کا رنگ ہے۔ اور بلاشبہ کسی کی پیروی میں شعر کہنا اس کو خراج تحسین پیش کرنے کے مترادف ہے۔ عظامی بعض جگہ ایرانی شعرا کے نام کے ساتھ داد و تحسین دیتے نظر آتے ہیں اور بعض جگہ اشعار کا پیوند لگاتے ہیں۔ بطور مثال:

این مصرعۂ استاد نظیری ز خودم برد ''عشق است طلسمی کہ در و بام ندارد'' (۳۳)

اور یہ شعر جس میں ان کی بلند پایگی اور اپنی کم مایگی کا اقرار ہے۔

جواب خواجہ نظیری و حضرت غالب نہ حدِّ تست عظامی عجب ازین دہرم (۳۴)

سعدی کو یوں خراج تحسین پیش کر رہے ہیں:

ندانی کہ سعدی چہ خوش گفتہ است چہ دُرّ یتیمی سخن سُفتہ است
''چو بینی یتیمی سر افگندہ پیش مدہ بوسہ بر روی فرزندِ خویش
عظامی بہ آثار سعدی برو کہ ہر دو جہان را بگیری گرو (۳۵)

عبدالمجید سالک: فارسی اور اردو کے شاعر اور مایہ ناز صحافی عبدالمجید سالک ۱۸۹۴ء میں ضلع گورداسپور کے علاقے ''بٹالہ'' میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد غلام قادر پٹھانکوٹ میونسپل کمیٹی کے سیکرٹری تھے۔(۳۶) عربی اور فارسی کے بڑے عالم دین میاں میر محمد ان کے دادا تھے۔ عبدالمجید نے دونوں زبانوں میں سالک تخلص اختیار کیا۔ پٹھانکوٹ میں اپنی ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد بطور سکول ٹیچر کام کرنے لگے۔(۳۷)

۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۰ء تک مختلف ماہناموں، روزناموں اور مجلّات کے ایڈیٹر رہے جن میں فانوس خیال، تہذیب نسواں، پھول وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

۱۹۲۱ء میں روزنامہ ''زمیندار'' کے ایڈیٹر ہوئے۔(۳۸) ۱۹۲۷ سے ۱۹۳۹ء تک روزنامہ انقلاب چھاپتے رہے۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم پاکستان کے بعد سالک کراچی میں اقامت پذیر ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں لاہور منتقل ہو گئے (۳۹)۔ اور ۶۵ سال علم وادب کی خدمت کرنے کے بعد ۱۹۵۹ء میں انتقال کر گئے، اور مسلم ٹاؤن لاہور میں دفن ہوئے۔(۴۰)

سالک کی نثری تصانیف یہ ہیں: سرگذشت (لاہور ۱۹۵۵م)، یاران کہن (لاہور ۱۹۵۵ء)، ذکر اقبال (لاہور ۱۹۵۵ء)، تاریخ ثقافت اسلامی در ہند، اسلام و مسلمان (لاہور ۱۹۵۰م)۔

ان کی فارسی اور اردو شاعری کا مجموعہ ''راہ و رسمِ منزل ہا'' کے عنوان سے ۱۹۲۲ء میں چھپا۔ ان کے بیٹے عبدالسلام خورشید نے ۱۹۶۰ء میں دوسری بار شایع کیا۔ ''راہ و رسم منزل ہا'' اردو اور فارسی کی غزلیات، نظموں، رباعیات اور متفرق اشعار پر مشتمل ہے۔ سالک نے ۱۹۰۸ء میں شعر کہنا شروع کیا جب انکی عمر صرف چودہ سال تھی۔ پٹھانکوٹ اور بٹالہ کے مشاعروں میں شرکت بھی کرنے لگے۔(۴۱) سالک نے پہلے پہل علامہ محمد اقبال سے شاعری کی اصلاح کے لیے درخواست کی لیکن اقبال نے سالک کی شاعری کی تعریف کرتے ہوئے رسا رام پوری سے اصلاح لینے کا مشورہ دیا۔(۴۲)

رسا نے تقریباً ڈیڑھ سال بعد ہی سالک کی شاعری کو اصلاح سے بے نیاز قرار دے دیا۔ سالک نے ''خیر مقدمِ وفدِ فرہنگی'' کے عنوان سے ایک نظم لکھی جس میں ایران کے اہلِ علم و دانش کا خیر مقدم خوبصورت الفاظ میں کیا ہے:

ای حاملانِ دانشِ ایران خوش آمدید   در علم با شما کہ تواند برابری
ملکِ شماست رہبر سُکّانِ ارضِ پاک   ز ایران گرفتہ ایم متاع سخن وری
آموختیم فلسفہ و حکمت و غزل   از حافظ و نظامی و سعدی و انوری
از پارس گشتہ ایم زرِ کامل العیار   از چرکِ خالی و از غلّ وغش بری
مائیم قدر دان و خریدارِ یک دگر   مائیم ہر دو گوہر و ہم ہر دو جوہری(۴۳)

ہر کسی کا اظہار کا اپنا انداز ہوتا ہے۔ سالک کبھی کبھی ایرانی شعرا سے اردو میں بات کرتے دکھائی دیتے ہیں اور فارسی شاعر کا جواب فارسی میں ہی نقل کرتے ہیں۔ حافظ شیرازی کے ساتھ انھوں نے بارہا ایسا انداز اپنایا ہے۔ ''پیامِ حافظ'' کے عنوان سے ایک اردو نظم ہے جس میں وہ خود تو اردو زبان میں حافظ سے دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کرتے ہیں لیکن پھر حافظ کی فارسی غزل کا پیوند جواب کے طور پر لگاتے ہیں۔ پیامِ حافظ:

روحِ حافظ سے کہا میں نے کہ اے عشق طراز — تیرا سینہ ہے نہاں خانۂ اسرارِ نیاز
عشق کیا چیز ہے اک محنتِ حرماں انجام — صرف تعمیرِ اجل خال و خطِ حسنِ مجاز
جامِ ہستی کا نتیجہ ہے جو خمیازۂ مرگ — ایسی مے پر تو نہیں چاہئے فتوائے حجاز
سن چکا جب یہ خرافات ہلاکت تاثیر — ہنس کے کہنے لگا وہ نازشِ خاکِ شیراز
''خیزو درکاسۂ زر آبِ طربناک انداز — پیش از اینکہ شود کاسۂ سر خاک انداز
عاقبت منزلِ ما وادیِ خاموشان است — حالیا غلغلہ و گنبد افلاک انداز(۴۴)

فیروز الدین رازی: فیروز الدین (۱۹۱۳ـ۱۹۶۷ء) فارسی اور اردو زبان کے شاعر ہیں جنھوں نے ''رازی'' تخلص اختیار کیا۔ والد کا نام میاں گل محمد تھا۔ امرتسر سے میٹرک کیا۔ فارسی فاضل، بی۔اے اور ایم اے فارسی کیا۔ مسلم ہائی سکول امرتسر میں ۱۹۴۲ سے ۱۹۴۵ تک پڑھاتے رہے۔ ۱۹۴۵ء میں شاہ پور کالج اور ۱۹۵۲ سے تادمِ مرگ گورنمنٹ کالج لاہور سے وابستہ رہے۔ صدر شعبہ فارسی کے فرائض بھی انجام دیے۔ ان کا کوئی مطبوعہ کلام موجود نہیں۔ لیکن ان کی ادبی خدمات کے حوالے سے ۱۹۹۲ء میں شعبہ فارسی اورینٹل کالج میں ایم۔اے کی سطح پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا گیا۔(۴۵)

رازی نے زیادہ غزل، قصیدہ اور مثنوی میں طبع آزمائی کی۔ رودکی، حافظ اور اقبال کی پیروی میں شعر کہے اور معروف شعراء کو خراج عقیدت بھی پیش کیا۔ ان کی شاعری کا موضوع زیادہ تر سرزمین ایران، ایران کے استاد، شعرا، شہنشاہ یا ایرانی وفود کی آمد اور میہن پرستی وغیرہ ہیں۔ ایران اور ایرانی شعرا سے متعلق کچھ شعر بطور نمونہ ذیل میں درج ہیں:

سلام، ارض پاک کسریٰ و جم و دارا — سلام ما بہ سلطان ہنر پرور عجم آرا
سلام ما بہ محبوب دلآرای سخا گستر — بہار گلشن ایران بہ باغ شہ گل خوشتر
سلام ما بہ ارواح بہار و رومی و سلمان — بہ استاد سخن سعدی و ہم خاقانی شروان
سلام ما بہ روح حافظ و فردوسی و جامی — سخن گویان ایرانی بہ دنیایِ ادب نامی
سلام ما بہ ارواح دقیقی، عنصری طوسی — بہ دل داریم از ایشان رغبت آن آستان بوسی (۴۶)

ظہور الدین احمد لکھتے ہیں کہ ''فیروز الدین رازی نے دو تین بار ایران کا سفر بھی کیا۔ انجمن دوستی ایران و پاکستان کے سیکرٹری رہے۔ خانۂ فرہنگ ایران کے بھی عارضی طور پر نگران رہے۔ انجمن ترقی اردو امرتسر کے بھی اساسی رکن تھے''۔(۴۷)

رازی نے بہت سی نصابی کتب لکھیں اور مرتب کیں جو ذیل میں درج ہیں:

خود آموز فارسی حصہ اول خود آموز فارسی حصہ دوم، آموزگار فارسی، دستۂ گل (نہم دہم کا فارسی نصاب ۱۹۲۲ء)، قند پارسی (سیکنڈری سکول کے لیے) فرہنگ نامۂ جدید فارسی، اردو، انگریزی ۱۹۵۲ء میں چھپی۔ گنج دانش بی اے سال اول کے لیے پنجاب یونیورسٹی کا مجوزہ نصاب، کتاب فارسی (برائے کلاس ہشتم ۱۹۶۳ء)۔

وہ ایرانی شعراء کو آسمان پر چمکتے ستاروں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ کہیں ان کو ''تاجدارانِ سخن'' کے نام سے مخاطب کرتے ہیں تو کہیں طوطیانِ نغز گو اور بلبلان خوش بیان کی تراکیب لاتے ہوئے کہتے ہیں:

خفتہ اندر خاک تو بس تاجدارانِ سخن طوطیانِ نغز گو و بلبلانِ خوش بیان

بر زمینِ تو فروغِ شاعران مثلِ نجوم می نیارد کس زمین را فرق کرد از آسمان (۴۸)

ذہین تاجی: محمد طاسین (۱۹۰۷۔۱۹۷۸ء) فرزند محمد دیدار علی فراقی کا تعلق قصبہ کھنڈیلہ جے پور سے تھا۔ ذھین تخلص کرتے تھے اور ''مولانا عبدالکریم شاہ تاجی'' کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تو ''تاجی'' کہلائے۔ ذھین کا تعلق ایک دینی اور ادبی گھرانے سے تھا۔ والد بزرگوار بھی شعر کہتے تھے اور ان کا تخلص ''فراقی'' تھا۔ ذھین ایک درویش اور مضامین فقر و عرفان پر نظر رکھنے والی شخصیت تھے۔ انھیں عربی، فارسی اور علوم شرقی میں مہارت حاصل تھی۔(۴۹) ۱۹۲۷ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ''جمالِ آیات'' ذھین کا فارسی مجموعہ کلام ہے۔ اردو میں دیگر کتب آیاتِ جمال (اردو غزلیات)، لمعاتِ جمال (مذہبیات اردو)، اجمالِ جمال (فصوص الحکم کا اردو ترجمہ) ہیں۔

ظہور الدین احمد، ذہین تاجی کا ایک جملہ نقل کرتے ہیں: فارسی زبانِ مادریِ ما نیست، زمانِ علمی ماست و شعر را از شعرایِ قدیم ایران اختیار نمودہ ایم۔(۵۰)

''بہ بزمِ رومی و حافظ شو، احسنت ہست

خوشا ذھین غزل ہای عارفانہ ما''(۵۱)

ذھین کیا ہی اچھی ہیں ہماری عارفانہ غزلیں۔ حافظ کی صحبت اختیار کر۔ دراصل ذھین ایک صوفی تھے اور ایرانی صوفیا سے فکر میں ہم آہنگی محسوس کرتے تھے۔

تقریباً برصغیر کے تمام شعرا نے رومی اور حافظ کے اشعار کو پڑھا اور روش کو اپنایا ہے۔ اور فن پر ان کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔

ضیاء محمد ضیاء: ضیاء محمد ضیاء (۱۹۲۸ء) چوہامل گاؤں قصبہ کنجاہ گجرات کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد کا نام عبدالرسول قریشی تھا۔ ضیاء نے ابتدائی تعلیم مولوی محمد حسن سے حاصل کی اور ۱۹۴۳ء میں انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کیا اور ہائی سکول کی سطح پر مختلف علاقوں میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ (۵۲) ضیاء محمد ضیاء کے منظوم آثار میں ارمغانِ عشق (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء) مجموعۂ نعت ہے۔ دوسرا شعری مجموعہ کاروانِ فارسی (مطبوعہ ۱۹۷۵ء) اور تیسرا شعری مجموعہ ''نوائے شوق'' (مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۷۷ء) ہے۔ ضیاء کی شاعری میں ایرانی اساتذہ، شعراء اور ادباء کی شان میں قصائد اور خراج تحسین زیادہ تعداد میں نظر آتے ہیں۔ ان کی ایک نظم ''صہبای سخن'' بطور نمونہ درج کی جا رہی ہے۔ ضیاء نے اس خوبصورتی سے تمام ایرانی شعرا کا ذکر کیا ہے کہ نظم میں سے کسی ایک شعر کا نکالنا بھی آہنگ و عقیدت کے سلسلے کی حسین کڑی میں خلل کا باعث ہوگا۔

صہبای سخن

ز صہبایِ سخن سرشار ہستم   ز جامِ رومی و عطار مستم
مرا سازست از فریاد لبریز   سرایم نغمہ ہا از روم و تبریز
نوایِ من کہ ہست آتش بہ دامان   بود از پردۂ سازِ خراسان
چو آہنگِ عراقی می کنم ساز   شوم با اھلِ عرفان نغمہ پرواز
چو در طرزِ حجازی باز گویم   سخن ھا از مقامِ راز گویم
بدہ جام از می دیگر بہ دستم   کہ من از بادۂ شیراز مستم
دلی دارم فدایِ نامِ حافظ   چشیدم جرعہ ھا از جامِ حافظ
نشستم سالہا بر خوانِ سعدی   بسی گل چیدم از بستانِ سعدی
ورق خوان از گلستان بودہ ام من   بہ بر اندر دبستان بودہ ام من
ز رومی ذوق روحانی گرفتم   شرابِ تند عرفانی گرفتم
چو رفتم با ارادت پیشِ عطار   شدم از رو حیاتش مست و سرشار
خرد اندوختم از ''منطق الطّیر''   صفا آموختم ز اقوالِ بوالخیر
شدم رو تازہ از فیضِ نظامی   مرا جام از محبت داد جامی
''بہارستان جامی'' چیست ای دوست   سراسر مغزِ دانش ہست بی پوست

ز سیرِ گلشنِ شعر سنایی نصیبِ من شده رنگین نوایی
سیاست نامۂ طوسی چو خواندم کمندِ فکر بر گردون رساندم
مرا گر فکر روشن طبع عالی ست ز تعلیماتِ ''اخلاقِ جلالی'' ست
غزالی هر چه می جستم مرا داد به دستم از سعادت کیمیا داد
چو بودم از شرابِ شعر مخمور مرا از نوری شد دیده پُر نور
شدم چون همنشیں ابنِ یمین را به چشمِ من گشاد اسرارِ دین را
مرا شعر عراقی جسم و جان سوخت فغانی در دلم صد شعله افروخت
ز خاقانی و فردوسی و خیام مرا در گوشِ جان آید صد الهام
کلامِ فرخی سیتانی بود گنجِ گہرِ ھایِ معانی
ز قاآنی سخن آموختم من ز گرمی ھای فکرش سوختم من
دلم بشگفت از اشعارِ سرمد سرورم می دھد گفتار سرمد
ثنا خوانِ بہار و دھخدایم به طرز ایرج و پروین فدایم
نظیری ، ہاتفی ، بیدل ، رضایی ابوالفضل و ظہوری و علایی
حزین و صائب و فیضی وقدسی شہیدی ، آصفی ، اھلی ، فروغی
ظہیر وعارف و عشقی و مخفی قتیل و سالم و جویا و صرفی
غنی و شبلی و اقبال و غالب کلیم و خسرو و عرفی و طالب
علی و محسن و مسعود و آزاد عمید و واقف و عالی و دلشاد
ہمہ اینہا بر ایم اوستادند کہ بر رویم درِ معنی گشادند
ز سوزِ این ہمہ آتش بہ جانم سخن شان ھست ہر دم بر زبانم
خدا بر خاکِ شان رحمت باراد
بہ گیتی نام شان روشن بما ناد(۵۳)

سید محمد اکرم شاہ اکرام: سید محمد اکرم شاہ پاکستان کے معاصر فارسی اور اردو زبان کے شاعر اور اقبال شناس مونگنا نوالہ، شیخوپورہ، پاکستان میں ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے، شاعری میں 'اکرام' تخلص کرتے ہیں۔(۵۴)

میٹرک تک تعلیم شاہدرہ ہائی سکول سے حاصل کی۔ ۱۹۵۵ء میں ایف سی کالج سے ایف۔اے کیا اور ۱۹۵۸ء میں بی۔اے کیا۔ ۱۹۶۰ء میں فارسی زبان وادب میں شعبہ فارسی اورنٹئل کالج پنجاب یونیورسٹی میں فارسی زبان وادب میں ایم۔اے کیا اور ایران کی طرف سے وظیفے پر تہران یونیورسٹی ایران، پی ایچ ڈی کے

لیے تشریف لے گئے۔ ۱۹۶۳ء میں پی ایچ ڈی مکمل کی۔ ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ بعدازاں ''اقبال در راہِ مولوی'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ (۵۵) سید اکرم شاہ اکرام ۱۹۶۴ء میں شعبہ فارسی اورینٹل کالج سے بحیثیت استاد منسلک ہوئے اور ۱۹۹۲ء میں ریٹائر ہو گئے۔ اپنی ریٹائرمنٹ تک کے سفر میں وہ صدر شعبہ فارسی، پرنسپل اورینٹل کالج اور مسند نشین مسند ہجویری بھی رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد مسند اقبال پنجاب یونیورسٹی کی صدارت انھیں سونپ دی گئی جہاں انھوں نے بڑی محنت اور لگن کے ساتھ دن رات کام کیا۔ سید اکرم شاہ اکرام کا ایک اعزاز یہ ہے کہ وہ پروفیسر ایمریطس ہیں اور حال ہی میں ۲۰۲۰ء میں فرہنگستان شبہ قارہ تہران، ایران نے انھیں تاحیات اعزازی ممبرشپ دی ہے۔

اکرم شاہ صاحب کے فارسی زبان کے تین مجموعہ ہائے کلام چھپ چکے ہیں: پروانۂ پندار (تہران ۱۹۶۳ء)، سکۂ عشق (لاہور ۱۹۷۴ء) اور سفینۂ سخن (اسلام آباد ۱۹۹۲ء)، ان کی شاعری نعت، منقبت، غزلیات، قصائد، مثنویات، متفرقات اور رباعیات پر مشتمل ہے۔ ان کی تحریر میں رومی اور اقبال کا عکس نمایاں ہے۔ اکرم شاہ زمانۂ طالب علمی سے ہی شعر کہتے تھے اور یہ کہنا بجا ہوگا کہ پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ لکھنے کے دوران رومی اور اقبال کا رنگ ان کے فکر و نظر پر مزید گہرا ہوا۔ ان کی کتاب سفینۂ سخن سے ایک نظم ذیل میں درج ہے جس کا عنوان ''زبان فارسی'' ہے جو اکرم شاہ اکرام کی ایرانی شعرا سے دلی و جذباتی وابستگی اور عقیدت کا اظہار ہے:

من برائے دوستانِ نکتہ دان — می سرایم داستانِ فارسی
از کلام ''رودکی'' آید ھمی — بوی جوی مولیان فارسی
کیست ''فردوسی'' مسیحای سخن — زندہ از او گشتہ جان فارسی
نغمہ پرداز طبیعت ''فرخی'' است — بلبل باغ چنان فارسی
''عنصری'' باشد شہِ اقلیم شعر — شاعر صاحب قران فارسی
شاھباز علم ''خیام'' آن فکور — بر فلک بست آشیان فارسی
نخل عرفان را ''سنایی'' کاشتہ است — آن حکیم حق نشان فارسی
''انوری'' شمع ادب را بر فروخت — شاعر روشن روان فارسی
مرد میدان سخن ''خاقانی'' است — شعر او باشد سنان فارسی
نظم را باشد ''نظامی'' مایہ یی — گنج اسرار نھان فارسی
از دم ''عطار'' آن روح لطیف — شد معطر بوستان فارسی
مثنوی مولوی معنوی — ھست قرآن در زبان فارسی

چون عراقی گفت از اسرار عشق　　مولتان شد اصفهان فارسی
''سعدی'' آمد گلستان شعر نغز　　بوستانش ارمغان فارسی
هست شعر ''حافظ'' شیرین سخن　　شاهکار جاودان فارسی
جام ''جامی'' از می عرفان پُر است　　تا بریزد در دهان فارسی
فکر ''صایب'' می کند پرواز نیک　　در فضای بی کران فارسی
رهبر اهل سخن باشد ''بهار''　　شاعر آخر زمان فارسی
گرچه بسیارند در ایران زمین　　شاعران و ساحران فارسی
کم نمی بینی تو در گلزار پاک　　بلبلان نغمه خوان فارسی
تا معطر شد مشام جان ما　　از دم عنبر فشان فارسی
تا به ''راوی'' رفت از زاینده رود　　موج دریای روان فارسی
محفل ما حافظ اسرار اوست　　بزم ما دارالامان فارسی
یوسف مصر سخن ''مسعود سعد''　　روشنی بخش جهان فارسی
طوطی شکر شکن ''خسرو'' بود　　نغمه خوان گلستان فارسی
طبع سرشار گهر ریز ''حسن''　　هست گنج شایگان فارسی
برد ''عرفی'' بازی شعر جزیل　　در ادب شد قهرمان فارسی
بزم ما را کرد یکسر فیض یاب　　''فیضی'' آن پیر مغان فارسی
در خیال آمد ''نظیری'' بی نظیر　　گوهر یکتای کان فارسی
شمع شعر ''اکرام'' بر افروختم
روشن است از من نشان فارسی (۵۶)

بلاشبہ متاخرین نے متقدمین کے فیضان سے روحوں کی آبیاری کی اور تضمین اور اظہار عقیدت کے خوبصورت ہدایا کی صورت میں تاریخ ادبیات کے اوراق کو مزیّن کیا۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) عبداللہ،سید،ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ،مجلس ترقی ادب،لاہور،۱۹۶۹ء،صص ۱۸۵۔۱۹۲

(۲) رضوی،سبط حسن،فارسی گویان پاکستان ،مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان،اسلام آباد،۱۹۷۴ء، صص ۶۳۔۶۴

(۳) ایضاً

(۴) احمد،ظہورالدین،پاکستان میں فارسی ادب،ج۵،ادارۂ تحقیقات پاکستان پنجاب یونیورسٹی،لاہور،۱۹۹۰ء،ص۱۱۰

(۵) گرامی،غلام قادر،دیوان گرامی،شیخ مبارک علی اینڈ سنز،بی تا،ص۱۰۶

(۶) ایضاً،ص۱۱۲

(۷) ایضاً،صص ۱۱۲۔۱۱۳

(۸) ایضاً

(۹) ایضاً،صص ۱۳۹۔۱۴۲

(۱۰) ایضاً،ص۸۵

(۱۱) احمد،ظہورالدین،پاکستان میں فارسی ادب ،ج۵،ادارۂ تحقیقات پاکستان پنجاب یونیورسٹی،لاہور،۱۹۹۰ء، ص۱۱۶

(۱۲) اکرام،سید محمد اکرم شاہ،اقبال در راہ مولوی،اقبال اکادمی پاکستان،لاہور،۱۹۸۲ء،ص۲

(۱۳) ایضاً،ص۳

(۱۴) سالک،عبدالمجید،ذکر اقبال،بزمِ اقبال لاہور،۱۹۵۵ء،ص۱۷

(۱۵) احمد،ظہورالدین،پاکستان میں فارسی ادب ،ج۵،ادارۂ تحقیقات پاکستان پنجاب یونیورسٹی،لاہور،۱۹۹۰ء، ص۹۴

(۱۶) اکرام،سید محمد اکرم شاہ،اقبال در راہ مولوی،اقبال اکادمی پاکستان،لاہور،۱۹۸۲ء،ص۸

(۱۷) ایضاً،ص۱۳

(۱۸) ایضاً،ص۱۵

(۱۹) اقبال،علامہ محمد،کلیات اقبال فارسی،شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور،۱۹۷۳ء،ص۱۱

(۲۰) ایضاً،ص۷۹۶

(۲۱) ایضاً،ص۷۲۵

(۲۲) ایضاً،ص۸۰۳

(۲۳) ایضاً،ص۵۱۷

(۲۴) اقبال،علامہ محمد،میکدۂ لاہور،تصحیح ومقدمہ محمد بقائی ماکان،تہران،۱۳۸۲ش،ص۴۹۵

(۲۵) ایضاً،ص۱۶۳

(۲۶) ایضاً،ص۲۰۸

(۲۷) ایضاً،ص۵۵۶

(۲۸) عبدالرشید،خواجہ، تذکرہ شعرای پنجاب،اقبال اکادمی،کراچی،۱۹۶۷ء،ص۲۴۷

(۲۹) عظامی،عزیزالدین، کلیات عظامی ،بکوشش رضی الدین احمد ومعزالدین احمد،لاہور،۱۸۸۵ء،مقدمہ،صفحہ ج

(۳۰) ایضاً

(۳۱) ایضاً

(۳۲) ایضاً،مقدمہ،صفحہ ھ

(۳۳) ایضاً،ص ۹۷

(۳۴) ایضاً،ص ۱۶۹

(۳۵) ایضاً،ص ۳۲۴

(۳۶) سالک،عبدالمجید،راہ و رسم منزلہا،مرتّبہ عبدالسلام خورشید،لاہور،۱۹۶۰ء،ص ۱۹

(۳۷) خورشید،عبدالسلام، سالك نامہ،مغربی پاکستان اردو اکیڈمی،لاہور،۱۹۵۵ء،ص ۲۴

(۳۸) رضوی،سبط حسن،فارسی گویان پاکستان،مرکز تحقیقات ایران و پاکستان،اسلام آباد،۱۹۷۴ء،ص ۳۰۵

(۳۹) خورشید،عبدالسلام،سالك نامہ ،مغربی پاکستان اردو اکیڈمی،لاہور،۱۹۵۵ء،ص ۲۴

(۴۰) سلیچ،محمد منیر،وفیات ناموران پاکستان،لاہور،۲۰۰۶ء،ص ۵۳۱

(۴۱) خورشید،عبدالسلام،سالک نامہ،ص ۲۱

(۴۲) مزید اطلاعات کے لیے نک: خورشید،عبدالسلام،سالك نامہ،صص ۲۱-۲۲

(۴۳) سالک،عبدالمجید،راہ و رسم منزلہا،مرتّبہ عبدالسلام خورشید،لاہور،۱۹۶۰ء،ص ۱۳۳

(۴۴) ایضاً

(۴۵) احمد،ظہورالدین،پاکستان میں فارسی ادب ،ج ۶ ،مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان،اسلام آباد،۲۰۰۵ء، ص ۱۵۴

(۴۶) ایضاً،ص ۱۵۷

(۴۷) ایضاً،ص ۱۵۴

(۴۸) ایضاً،صص ۱۵۷-۱۵۸

(۴۹) ایضاً،ص ۱۳۲

(۵۰) ایضاً

(۵۱) ایضاً،ص ۱۳۳

(۵۲) عبدالرشید،خواجہ،تذکرہ شعرائے پنجاب،اقبال اکادمی کراچی،۱۹۶۷ء،ص ۲۲۱

(۵۳) ضیاء،محمد ضیاء،نوای شوق ،مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان،اسلام آباد،۱۹۷۷ء،صص ۱۴۴-۱۴۶

(۵۴) عبدالرشید،خواجہ،تذکرہ شعرائے پنجاب ،ص ۵۱

(۵۵) احمد،ظہورالدین،پاکستان میں فارسی ادب،ج ۶،ص ۲۲۵

(۵۶) اکرام،سید محمد اکرم،سفینۂ سخن، رایزنی فرہنگی جمہوری اسلامی ایران،۱۹۹۲ء،صص ۲۱۱-۲۱۳